eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

CC BY
OPEN ACCESS

ندیم اختر
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر پروین اختر
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Nadeem Akhtar
PhD Scholar, Dept. of Urdu, Govt. College University, Faisalabad
Dr. Parveen Akhtar
Associate Professor, Dept. of Urdu, Govt. College University, Faisalabad

آفتاب اقبال شمیم کی آزاد نظم

Aftab Iqbal Shamim's Free Verse

Abstract:

Aftab Iqbal Shamim is famous for Urdu free verse. He gave a big rise to Urdu free verse by his deep emotions, keen observation and high rated imagination. Aftab Iqbal Shamim's poem carries variety of subjects related to our social system of injustice, poverty, cruelty, helplessness of people, Psychological problems of conscience and sub conscience and history of man. He expresses his thoughts and emotions through dialogue. He created a powerful character of "Zaid" who is his cognate. Govt of Pakistan rewarded him with "Pride of Performance" in 2005 for his literary work. His poetry is influenced with the theories of existensialism. He has both qualities of expression: comprehensiveness and explainatory. He used personification in his poems. Aftab Iqbal Shamim’s free verse is multidimensional.

Keywords: Free Verse, Society, Progressive Movement, Global Oppression, Existentialism, Imagery, Symbol, Metaphor

کلیدی الفاظ: آزاد نظم، سماج، ترقی پسند تحریک، عالمی جبر، وجودیت، تمثال کاری، علامت ، استعارہ

آفتاب اقبال شمیم اردو ادب کی روایت میں آزاد نظم کا معروف اور معتبر حوالہ ہیں۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں نظم میں متعدد شعرا نے طبع آزمائی کی اور اس روایت پر ان مٹ نقوش چھوڑے لیکن جس طرح آفتاب اقبال شمیم نے آزاد نظم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اس کی مثال آزاد نظم کی روایت میں تلاش کرنا ممکن نہیں۔ ان سے پہلے کوئی نظم گو شاعر ایسا نظر نہیں آتا جس نے صرف آزاد نظم کہی ہو اور پابند یا معریٰ نظم کی جانب مطلقاً التفات نہ کیا ہو۔ آفتاب اقبال شمیم کا اختصاص جو انہیں اپنے ہم عصر دیگر شعراء سے اس میدان میں ممتاز کرتا ہے، یہی ہے کہ انہوں نے اپنے مخصوص مزاج کے تقاضوں پر لبیک کہتے ہوئے نظم کی کسی اور صنف کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور صرف آزاد نظم کے ہو کر رہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سعید احمد رقم طراز ہیں :

"آزاد نظم کے ساتھ اُن کی محبت کا یہ عالم ہے کہ لگ بھگ ۳۳۳ نظموں میں انہوں نے کہیں بھی پابند ہیئت کا سہارا نہیں لیا۔ یہاں تک کہ جزوی طور پر بھی کہیں پابند یا معریٰ نظم کا کوئی ٹکڑا ان نظموں میں شامل نظر نہیں آتا۔ یہ اختصاص ان کے انتہائی غیر روایتی شاعر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے باوجود ان کا سلوک نئی نظم کے شاعروں سے مختلف ہے جو روایت سے مکمل انقطاع کے داعی تھے۔"(۱)

آغازِ شاعری میں آفتاب اقبال شمیم ترقی پسند ادبی تحریک سے متاثر ہوئے لیکن وہ حلقہ ارباب ذوق سے بھی دور نہ رہ سکے۔ جب اُن کی شاعری کا آغاز ہوتا ہے جدید نظم اپنے اوج کمال پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ نظیر، حالی، آزاد اور بعد میں اقبال، فیض اور امجد ان کے ساتھ ساتھ، تصدق حسین خالد، میراجی اور ن۔م راشد جدید نظم کا دامن فکر و فن کے جواہر سے مالامال کر چکے تھے۔ جدید نظم اپنے ارتقاء کے اس اہم موڑ پر پہنچ چکی تھی جہاں شعرا کے زاویہ نگاہ میں بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ پابند اور نظم معریٰ سے دامن کش ہوتے ہوئے جدید نظم کے شعراء آزاد نظم کی جانب رخ کر رہے تھے۔ ایسے میں جب آفتاب اقبال شمیم کی پہلی نظم "ستمبر کا شہر" منظر عام پر آتی ہے تو جدید نظم اور آزاد نظم کے سمندر میں گویا ایک تموج کا باعث بنتی ہے۔ نظم کے بڑے نقاد ڈاکٹر وزیر آغا آفتاب اقبال شمیم کی اس نظم کیلئے کہتے ہیں:

"بہت سے اہم شاعر جہاں اپنے ادبی سفر کا اختتام کرتے ہیں آفتاب اقبال شمیم نے وہاں سے آغاز کیا ہے۔"(۲)

شاعری بہترین جذبات کے بہترین اظہار کا نام ہے۔ شاعر اپنے محسوسات کو الفاظ و تراکیب کے متناسب و دلکش ڈھانچے اور سانچے میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ قاری پر جب جہانِ معنی کھلتا ہے تو وہ خود کو ایک نئی دنیا سے متعارف محسوس کرتا ہے، وہ نئے نئے اسالیب ڈھالتا ہے، لفظوں کو تازہ معنی دیتا ہے۔ علامات اور استعاروں کو یوں اجنبیا دیتا ہے گویا قبل اس کے وہ زبان کے سمندر کی تہہ میں کسی سیپ کے اندر محوِ خواب تھے اور اب شاعر کی پکار پر موتی بن کر جگمگاتے ہوئے سامنے آ رہے ہیں۔ غزل کو اگرچہ اردو زبان کی آبرو اور کلیم الدین احمد کے الفاظ میں نیم وحشی صنف سخن کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ نظم کے متعلق کہا جاتا تو زیادہ قرین قیاس تھا۔ کیونکہ غزل انتشارِ فکر کا شکار ہو کر شخص کے جذبات کا اظہار بننے کے بجائے پورے سماج کا اظہار بن جاتی ہے جبکہ نظم فرد کی داخلیت اور فردیت کا بیانیہ ہوتی ہے۔ نظم کی سب سے بڑی خصوصیت وحدتِ فکر اور وحدتِ تاثر کہلاتی ہے، ڈاکٹر وزیر آغا اپنی کتاب "نظم جدید کی کروٹیں" میں کہتے ہیں:

"غزل اپنے مزاج، موضوع اور طریقِ کار کے اعتبار سے فرد کی بجائے سماج کے اجتماعی فکر کی عکاس ہے۔ فی الواقعہ اگر نیم وحشی صنفِ سخن کی ترکیب استعمال کرنی ہی ہے تو اسے نظم کے لئے استعمال کرنا چاہیے کہ نظم فرد کی شخصیت کا اظہار ہے اور جبلت کی تندی اور لاشعور کی گہرائی سے براہ راست متعلق ہے۔"(۳)

آفتاب اقبال شمیم نے نظم کو نیم وحشی صنف سخن بنا کر فرد کی شخصیت کے اظہار کے لئے برتا ہے۔ شاعر اپنے اشعار میں جو کچھ پیش کرتا ہے ، اس کے پس منظر میں بھی اس کا آس پاس، پڑوس، ماحول، سماج، معاشرت، تہذیب و ثقافت اور وہ حالات ہوتے ہیں۔ یہ سب عناصر مل کر اُس کا لاشعور تشکیل دیتے ہیں اور یہی لاشعور فرائیڈ کے خیال میں کسی شاعر اور انسان کی زندگی کو کسی مخصوص قالب میں ڈھالتا ہے۔ شاعر کا لاشعور اُس کا اسلوب بناتا ہے اور اس سے وہی کچھ کہلواتا ہے جو وہ کسی وجہ سے کبھی کہہ نہ سکا تھا۔ آفتاب اقبال شمیم کا بچپن اور لڑکپن جن حالات میں گزرا وہ کچھ زیادہ اچھے اور پرسکون نہ تھے۔ غربت، افلاس، معاشرتی ناہمواری، ناانصافی، طاقتور اقوام کی غلامی، قومی بے حسی اور اجتماعی لاپروائی و بے نیازی جیسے عوامل آفتاب اقبال شمیم کی آنکھوں کے

سامنے تھے۔ حالات کا جبر شمیم کے اندر شکست و ریخت کا ایک مسلسل عمل جاری رکھتا ہے جو اس کی شاعری میں منعکس ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ آصف ہمایوں لکھتے ہیں:

> ”طاقتور اور کمزور کے مسئلے میں وہ طاقت ور کا اتحادی بننے سے انکار کر دیتا ہے۔ غریب بھی کتنے غریب ہیں کہ اپنے وجود کے خلاف گواہی دے کر چند لوگوں کے وجود کو تسلیم کروانے پر مصر ہیں۔ وہ اس دھندلائی فضا میں خدا کی مخلوق کے درمیان پنجوں کے بل کھڑا ہو کر اپنا قد بڑھانے کی ہر کوشش کو شرک گردانتا ہے۔ اُس کی اس سوچ نے اسے بہت سے معاملات میں حد درجہ محتاط بنا دیا ہے حتیٰ کہ لفظوں کے انتخاب میں بھی وہ ایسے الفاظ کا انتخاب نہیں کرتا جو آدمی کا خود اپنے سے اور اپنی نوع کے افراد سے رابطہ منقطع کرنے اور اسے خلا میں معلق رکھنے کی سازش کرتے ہیں۔ ظالم کی زبان کے الفاظ کا اندراج اس کی لغت میں نہیں ہے۔“(۴)

شاعر معاشرے کا حساس ترین فرد ہوتا ہے۔ وہ سماجی مسائل، معاشرتی ناانصافیوں، انسان کی محرومیوں اور دُکھوں سے اپنے دامن کو ہرگز بچا نہیں سکتا۔ کسی بھی قسم کا ظلم اور جبر جو اُس کے سامنے روا رکھا جا رہا ہوں ایک مسلسل اذیت بن کر اُسے عذاب میں مبتلا رکھتا ہے۔ آفتاب اقبال شمیم حالات کی سختی کے معاشرتی کرب میں مبتلا نظر آتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ انسان کا ہونا ہی اُس کے لئے سب سے بڑی سزا ہے۔ زندگی اُس کیلئے ایک جبر مسلسل ہے اور جب تک یہ زندگی ہے وہ حالات کی ستم ظریفی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ شمیم اپنی نظم ”اپنے ہونے کی سزا“ میں کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتا ہے:

شہر میں بے ربط آوازیں
درندوں، وحشیوں کے قہقہے
اور اس نظارہ آواز کے ملبے میں
چشم و گوش بے نام و نشاں
بے خروش
آنکھ کا سیلاب کب کا تھم چکا
اب حقارت کی سیہ صرصر بیابانوں میں چلتی ہے سدا
پر کسی تاریک گوشے میں ابھی تک ٹمٹماتا ہے
کسی نادار خواہش کا چراغ
اور مرجھائی ہوئی کرنوں میں کوئی ڈھونڈتا رہتا ہے
امکانِ بہار۔ (۵)

آفتاب اقبال شمیم اگر ترقی پسند تحریک سے متاثر ہوئے تو اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ ترقی پسند ادب فرد کے مسائل مشکلات، محرومیوں، جبر و تشدد اور بے بسی و بے کسی کو موضوع بحث بناتا ہے۔ اُس دور کی جدید نظم میں شعرا نے انہی موضوعات کو اپنایا اور فرد و سماج کے مسائل کو اجاگر کیا۔ آفتاب اقبال شمیم نے جس جدید نظم کی روایت کو آگے بڑھایا۔ وہ یہی نظم ہے جو فرد کی غلامی، غیر جمہوری رویوں، نارواسلوک اور انسان کے وجود پر پڑنے والے مسائل کے تازیانوں کا ذکر کرتی ہے۔ جدید نظم کے موضوع کے متعلق ڈاکٹر ناصر عباس نیرؔ لکھتے ہیں:

"جدید نظم فرد کی آزادی اور جمہوریت کی حامل سماجی ساخت سے داخلی رشتہ قائم کرتی ہے۔ جدید نظم کے سلسلے میں جو لوگ عمومی بے رغبتی ظاہر کرتے ہیں وہ عام طور پر فرد کی آزادی، جمہوریت و لبرلزم سے بھی نظریاتی اختلاف رکھتے ہیں۔"(۶)

آفتاب اقبال شمیم کی آزاد نظم فرد کی غلامی کا نوحہ بہت اونچے سروں میں گاتی ہے۔ وہ اس درد کا اپنی نظم میں موثر ترین الفاظ میں اظہار کرتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ وہ خود کو آہنی بیڑیوں میں مقید پاتے ہیں۔ طاقتور اقوام کی مسلط کردہ غلامی اور فطرت کی پابندیاں انہیں فرد کا ہمدرد بنا دیتی ہیں۔ وہ فرد کے ساتھ اس ظلم کے خلاف بڑے دبنگ الفاظ میں نعرہ بغاوت بلند کرتے ہیں:

عنتر نے دھاوا بولا ہے
دیکھ! سفید انسانیت کے خیموں پر
پنجے سخت طنابوں کے
جنگل کے محکوم بدن پر ڈھیلے پڑتے جاتے ہیں
کل کے طبل پہ چوٹ پڑی ہے
دیکھ! تڑپتی شہ رگ کی
ہر ہر بستی میں مینار الاؤ کے
روشن ہوتے جاتے ہیں
کل آزادی کی ہریالی پھوٹے گی۔۔۔ اور یہ بیلیں
پیڑوں کا رس پینے والی نیلی بیلیں
جڑ سے کاٹی جائیں گی۔(۷)

آفتاب اقبال شمیم ترقی پسند تحریک سے متاثر تو ضرور ہوئے لیکن اُن کے مزاج میں کورانہ تقلید بالکل نہیں ہے۔ ان کا اپنا انداز اور منفرد اسلوب ہے۔ ترقی پسند ادیب جس طرح براہِ راست بات کرتے ہیں، شمیم کے ہاں وہ انداز و اسلوب مفقود ہے۔ وہ معاشرتی ناہمواریوں، سماجی ناانصافیوں اور حالات کے جبر کو اپنی شاعری میں بیان تو ضرور کرتے ہیں لیکن اُن کا اسلوب منفرد اور مختلف ہے۔ وہ ادب کی کچھ دائمی اقدار کے قائل بھی نظر آتے ہیں۔ وہ مشینی اخلاقیات کو بھی ہرگز نہیں مانتے بلکہ اُن کی نظمیں ایسی تصنع بھری اخلاقیات کے خلاف ایک مؤثر اعلان ہیں۔ اسی طرح وہ حالات کے جبر کی عکس بندی ہی نہیں کرتے بلکہ حسنِ جمالیات کو چھو لینے والی شاعری کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سعادت سعید اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"آفتاب اقبال شمیم نے سیاسی و سماجی جبر کی فوٹو گرافک نقشہ کشی یا کاربن کاپی سے گریز کیا ہے۔ انہوں نے اپنی داخلی اور جذباتی وابستگی کی مدد سے شہری دنیا کے سماجوں میں تجارتی رویوں یا قدروں کی مدد سے جس مشینی اخلاقیات کی تشکیل ہوتی ہے اس کا حقیقی امکانی انسانی اخلاقیات سے تقابل بھی کیا ہے۔ ان کی نظمیں مشینی اخلاقیات کے منہ پر طمانچوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔" (۸)

آفتاب اقبال شمیم کی آزاد نظم میں جہاں موضوعاتی تنوع کی کثرت ہے وہاں اُن کی علامت نگاری، تمثال کاری، استعاراتی طلسم کاری اور داخلی و خارجی تصویر کشی اوجِ کمال کو چھوتی نظر آتی ہے۔ کہیں وہ امیجز کو علامتی سطح پر استعمال کرتے نظر آتے ہیں اور کہیں شعری تمناؤں کو سوانحی پیکروں میں ڈھالتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اُن کی نظم "درخت" کو مثال کے طور پر دیکھا

جا سکتا ہے۔ جس میں وہ درخت کے امیج کو تجسیم کے عمل سے گزارتے ہوئے علامت بنا کر معنیاتی و جمالیاتی تہہ داری پیدا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح "ہم" میں تازہ اور نئی علامتوں کو جدید مثالوں اور استعاروں کی معاونت کے ساتھ قاری کے سامنے یوں پیش کرتے ہیں کہ ایک جہاں معنی کھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ذیل میں دونوں نظموں کی مثال سے بات با آسانی سمجھائی جا سکتی ہے۔ اپنی نظم "ہم" میں زمین کو مخاطب کیا گیا ہے اور زمین کے بطن سے جو گھاس جنم لیتی ہے وہ عوام ہیں جیسے شاعر کی تخلیق نظم ہوتی ہے ۔ شمیم لکھتے ہیں:

اے زمیں! گھاس تری ہری نظم ہے
تو جیسے ہر جگہ، ہر افق پر، سمندر کی گہرائیوں میں
سدا گنگناتی رہی
جو کبھی کوہساروں کے پرچم کا کتبہ بنی
تو زمستاں کے عفریت نے تیز دانتوں سے کترا اُسے
اور پھر کف اڑا کے ہوا میں بکھیرا اُسے
راستوں میں اُگی
تو وہاں تہ بہ تہ گرد نے اُس کے نقشوں کو مدھم کیا
سبز معصومیوں کو سدا
منجنیق اور نیپام کی نفرتیں بدبوئوں سے شرابور کرتی رہیں
بار ہا راکھ بکھری
زمیں پر کئی پیل پیکر زمانوں کے شانے لگے
پر ہمیشہ ہوا یوں
کہ ماں سبز اولاد جنتی رہی
نظم بنتی رہی (۹)

علامات و استعارہ کا ایک ڈھیر ہے جو نظم میں استعمال ہوا ہے اور قاری معنی کی تہوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح اُن کی نظم "درخت" ملاحظہ ہو جس میں درخت کے امیج کو عملِ تجسیم سے گزار شاعر نے معانی و مفاہیم کا گوہر بے بہا جمع کر دیا ہے:

ابھی ابھی برف کی چڑیلیں
ہری ہری مسکراہٹوں کو
شگفتہ چہرے سے نوچ لیں گی
ابھی ابھی باولے دنوں کی
سیہ لٹکتی ہوئی زبانیں
صرر صرر چاٹنے لگیں گی ترے بدن کو
خزاں کا سفاک لکڑہارا
ابھی ترا انگ انگ کاٹے گا، پھانسیاں سی
تجھے بلندیوں سے پستیوں میں کڑک کڑک

کھینچنے لگیں گی
مگر معطر لہو برستا ہے جب فضا سے
خنک خنک آگ جاگ اٹھتی ہے جب رگوں میں
تو ایسے موسم میں ترے زخموں سے پھوٹ آئیں گی
عہد نامے کی آیتیں سی ۔(۱۰)

کرداروں کی تخلیق صرف داستانوں، کہانیوں، انسانوں اور ناولوں ہی میں نہیں ہوتی بلکہ شعراء بھی اپنی نظموں میں بعض رومانی کردار تخلیق کرتے ہیں۔ اس میدان میں علامہ اقبال کے بعض کردار نہایت اہم تخلیق ہیں جو فکرِ اقبال کی ترویج و اشاعت میں متاثر کن ذریعہ کے طور پر سامنے آتے ہیں جیسے وہ ''ابلیس'' کو ایک نئے، متحرک اور رنگارنگ کردار میں پیش کرتے ہیں۔ آفتاب اقبال شمیم کے ہاں ایک کردار ''زید'' کا ہے جس کو وہ اپنا ''ہم زاد'' قرار دیتے ہیں۔ زید اُن کی اصل ہے جو بات وہ اپنی زبان سے کہنا مناسب نہیں سمجھتے زید سے کہلواتے ہیں۔ اُن کا اپنے ہم زاد زید سے مکالمہ مسلسل چلتا رہتا ہے۔ اُن کی طویل نظموں کے مجموعہ کے نام ہی ''زید سے مکالمہ'' ہے۔ لیکن یہ مکالمہ اس مجموعے سے پہلے اور بعد میں بھی جاری رہتا ہے۔ وہ زید سے طویل مکالماتی بحث کرتے ہیں اور دنیا بھر کے موضوعات پر دونوں کے درمیان بہت جاندار مباحثے ہوتے ہیں۔ زید اُن کے محسوسات اور جذبات کی بہترین ترجمانی کرتا ہے۔ انہوں نے اس مجموعے میں مکالماتی اسلوب کو برتر فنی حسن کا نمونہ بنا کر پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر طارق ہاشمی ''زید'' کے متعلق اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

> ''آفتاب اقبال شمیم کے ہاں زید کا کردار، جبر و استبداد کے خلاف ایک مستقل ردِ عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ردِ عمل مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے جو کہیں تو صرف گفتگو تک محدود ہے تو کہیں جستجو کے سفر پر رواں نظر آتا ہے۔ یہ کردار کہیں تو اُس خوف کی تجسیم دکھائی دیتا ہے جو شاعر کے ماحول پر مسلط ہے تو کہیں اس جذبہ پیکار کی آواز بن جاتا ہے جو شاعر کے بطن میں جنم لیتا ہے۔ آفتاب اقبال شمیم کی مختلف نظموں میں زید سے اس کا مکالمہ رہتا ہے۔''(۱۱)

آفتاب اقبال شمیم کا زید سے مکالمہ وقت گزاری یا محض حظ اٹھانے کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ اس مکالمے سے اُن داخلی و خارجی مسائل اور موضوعات پر بحث کرتے ہیں۔ زید کہیں اُن سے اتفاق کرتا ہے تو کہیں اختلاف، کہیں ان کے دوش بدوش چلتا ہے تو کہیں انہیں بہت پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ شمیم نے ''زید'' کے ذریعے اپنے ناقابل بیان محسوسات کو نہایت قرینے اور سلیقے سے بیان کیا ہے۔ ''زید'' کی تخلیق آفتاب اقبال شمیم کے ہاں بعد میں نہیں ہوتی بلکہ یوں لگتا ہے کہ وہ پہلے دن سے اُن کے ساتھ ہے کیونکہ زید آفتاب کو آفتاب سے بھی بہتر جانتا ہے۔ زید سے مکالمہ کے دوران زمانے اور وقت پر بات کرتے ہوئے انسان کے اپنے آپ اور اپنی ذات کو اس کا ''کل'' قرار دیتے ہیں۔ اِن لائنوں سے شمیم کا تصورِ وقت بھی عیاں ہوتا ہے ''میں ابد ہوں'' ـــــ کی یہ سطریں ملاحظہ ہوں:

وقت بے سمت مکاں ہے جس کا
کوئی دروازہ نہ دیواریں ہیں
ایک احساس بیک وقت
ہزاروں جانب

پھیلتا اور سکڑتا ہے حوالوں سے ترے
تو خود اپنا کل ہے
اپنے پاؤں کے تلے روندا ہوا(12)

مذکورہ بالا نظم ہی میں شاعر کا تخلیقی شعور فرد کی اکائی کے حوالے سے انسانیت کے اجتماعی دکھوں، ویت نام کی کٹھن آزمائشوں، اجنبی جبر اور انسان دشمن قوتوں کے احساس کا حوالہ ہے۔ رنگوں میں سے مناظر، ستمبر کی ہوا کے لمس، ہوٹل کی مدھم روشنیوں، واہ کی مال، صدر کی سڑکوں اور دریائے جہلم کے کناروں کے سنگ وہ زید سے مکالمہ کرتا ہے۔ یہ دراصل شاعر کی عافیت گاہیں ہیں۔ آفتاب کے اس مکالمے میں کہیں داخلی کرب ہے تو کہیں اجتماعی کیفیت کا احساس ہے۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان لکھتے ہیں:

> ”داخلی کرب میں روحانی سی شیرینی زیادہ دیر تک نہیں رہتی اور جبر کے سلسلوں، نیپام بموں، لہو تھوکتے مزدوروں اور کٹے جسموں کی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اپنی نسل کے بہت سے فن کاروں کی طرح آفتاب اقبال شمیم اپنے نوحے کو رزمئے کے لہجے میں بدلنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ رزمیہ ان کے بہ قول کسی ”سورما“ کا نہیں ایک اجتماعی کیفیت ہے۔“ (۱۳)

آفتاب اقبال شمیم کئی برس چین میں رہے اور وہاں طلبہ و طالبات کو اردو زبان و ادب پڑھاتے رہے۔ وہ چین کے معاشرے اور معاشی ترقی کے خود شاہد ہیں۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے نیند میں ڈوبی ہوئی قوم کو دنیا میں اپنے پائوں پر کھڑے ہو کر سارے عالم میں چھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ صرف چین کے مناظر اور حسن کو اپنی شاعری میں پیش نہیں کرتے بلکہ وہ چین کو ناگفتہ بہ حالات سے نکال کر ترقی یافتہ ممالک کے درمیان لا کھڑا کرنے والے چینی رہنمائوں کو آدرش کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ ”زید“ یہاں بھی اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ڈاکٹر طارق ہاشمی کچھ یوں رقم طراز ہیں:

> ”آفتاب اقبال شمیم کے ہاں معاشی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والے انقلابی رہنما مائوزے تنگ اور چے گویرا کے کردار ایک عظیم آدرش کی علامت بن کر ابھرتے ہیں۔ وہ زید کی صورت میں اس عام آدمی سے بھی مکالمہ کرتے ہیں جو معاشی آزادی کی جدوجہد میں زندگی کے تلخ ترین تجربوں سے گزرتا ہے۔ زید سے گفتگو کرتے ہوئے شاعر نے کئی نسلوں پر پھیلے ہوئے انسانی المیوں کی کرب ناک تصویریں پیش کی ہیں۔“ (۱۴)

شمیم کی آزاد نظم موضوعاتی تنوع کی رنگا رنگی اور فکری و فنی گہرائی کی اعلیٰ مثال پیش کرتی ہے۔ وہ قومی مسائل یا موضوعات، حریت پسندی اور انسان کو اپنا موضوع بنا کر جغرافیائی حدود سے ماورا ہو جاتے ہیں۔ بین الاقوامی تناظر میں لکھی گئی متعدد نظمیں اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ ان کی نظر محدود نہیں جیسے ”دیوار چین“، ”تا چائے“، ”کوئی لنگ“، ”آئینہ نما“، ”لیون سان چے“، ”آدم زاد کی دُعا“، ”میر نابلس“، ”افریقہ اگلے محاذ پر“ اور ”اعلان نامہ بیروت“ وغیرہ۔ اسی طرح آفتاب اقبال شمیم کے ہاں اساطیری علامات و استعارہ اور تاریخی شعور بہت موثر انداز میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ ”زخم بینا“، ”لا (ایک مکالمہ)“، ”سنگ بے حیا“، ”سو ضرب صفر“ وغیرہ جیسی نظمیں ”سسی فس“ شعور کی نشاندہی کرتی ہیں اور ”بے زور آور“، ”سے اور میں“، ”منجمد ندی کی زنجیر“ اور ”نوعِ نو جسم“، ”ققنس شعور“ کی حامل ہیں۔ ”سسی فس“ شعور اس بات کی علامت ہے کہ انسان لایعنیت کو مسخر نہیں کر سکتا۔ اس لئے اُسے بے ثمر کوششوں کی ٹریجڈی کو قبول کر لینا چاہیے۔ ”سسی فس“ شعور انجماد پر منتج ہوتا ہے لیکن ققنس شعور زندگی کو حوصلہ اور نیا خون عطا کرتا ہے کہ زندگی کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ موت سے نئی زندگی جنم لیتی ہے۔ ”زخم بینا“ سے سسی فس شعور کی مثال دیکھیں:

پرانے جسم کے جنگلے توڑ دوں
اور دورویہ فصیلوں کی گلی کی قید سے آزاد ہو کر
اپنے دائیں اور بائیں پھیل جائوں
ساحلوں کو روند تا دریا نئی سمتوں کے معنی ڈھونڈ لے (۱۵)

اسی طرح قفنس شعور کی مثال ملاحظہ ہو:

جہاں کے اوج سے فتحیں
تمنا کی زبان میں ہم سے کہتی ہیں
کہ ہم بونے نہیں ہیں دیوتا ہیں
جو نئی ساعت کی کالی ریل کے نیچے کٹے اعضا کو جمع کر کے
دوبارہ جنم لیتے ہیں
اس نوروز پر جینے کا پھر سے عہد کرتے ہیں۔ (۱۶)

آفتاب اقبال شمیم کی نظم میں معنی سے بھرپور ایک پر اسراریت ہے۔ اُن کی زبان بھی روایتی زبان نہیں ہے۔ اُس میں کہیں اُن کی سرزمین جھانکتی ہے تو کہیں ہندی اور انگریزی ڈکشن جھلک دکھلاتا ہے۔ ان کی نظم سے اخذِ معنی آسان نہیں۔ غالب کی سی مشکل پسندی کا سامنا کر کے ہی کوئی نظم کے مفاہیم تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ مشکل پسندی انہوں نے دانستہ اختیار نہیں کی بلکہ اُن کے خیالات اتنے عمیق اور تخیل اتنا ارفع وبلند ہے کہ وہ خود بھی کہیں پیچھے رہ جاتے ہیں اور نظم اُن سے آگے نکل جاتی ہے۔ جدید تنقیدی زبان میں شاعر نظم نہیں کہتا بلکہ نظم خود اپنی تشکیل اور بنت کرتی ہے۔ ڈاکٹر سعادت سعید، آفتاب اقبال شمیم کی نظم کے متعلق کچھ ایسے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

''اُن کی نظمیں بڑی توانا، جان دار اور فکر انگیز ہیں۔ ان کی نظموں کا فرد جدید معاشرے کی میکانکی جبریت کی گرفت میں ہے۔ آفتاب کی نظموں میں فرد کی آزادی کا تصور وجودیت کے تصورِ آزادی سے ملتا جلتا ہے۔ انہوں نے اپنے تصورات کی تعمیر میں وجودی رجحانات سے گہرا استفادہ کیا ہے۔''(۱۷)

غرض یہ کہ آفتاب اقبال شمیم کی آزاد نظم کو جب روایت میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے تو ایک نئی تازگی کا احساس ہوتا ہے اور خوشگوار حیرت ہوتی ہے ان کا لب ولہجہ متاثر کن، اُن کی زبان غیر روایتی، اُن کا اسلوب جاندار اور دلکش، اُن کے موضوعات زندگی کے ہر رخ پر حاوی، اُن کا تخیل بلند پرواز اور رفعتوں کا حامل، اُن کی فکری بصیرت نہایت عمیق اور فن پختگی کی اونچائیوں کو چھوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ صرف نظم کہنے کیلئے نظم نہیں کہتے بلکہ بہت کچھ کہنے کے لئے نظم کہتے ہیں۔ کہیں اُن کا لہجہ کاٹ دار ہوتا ہے تو کہیں وہ تیکھی سے تیکھی بات تغزل کے پردے میں کہہ جاتے ہیں۔ اُن کی بحریں موضوعات کے اعتبار سے متنوع ہیں۔ جن میں کہیں لوچ ہے تو کہیں اکھراپن۔ وہ مختصر سے مختصر نظم میں بھی اپنی بات پوری کر جاتے ہیں اور جب طوالت اختیار کرتے ہیں تو اُن کا قلم پندرہ سو سطروں پر جا کے سانس لیتا ہے۔ وہ انسان کی مجبوریوں اور کمزوریوں کا ذکر تو ضرور کرتے ہیں لیکن اُسے ان کو اپنی طاقت بنانے کا نسخہ بھی تجویز کرتے ہیں۔ وہ فرد پر جبریت اور تقدیر کی حاکمیت کا نوحہ بھی کہتے ہیں لیکن اُسے امید اور رجائیت کے معنی سے روشناس بھی کراتے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں ''فردانژاد'' بھی ہیں اور ''گم سمندر'' بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آفتاب اقبال شمیم ہنوز ''نادریافتہ'' ہیں۔

حوالہ جات

1. ڈاکٹر سعید احمد، دیباچہ "نادریافتہ" کلیات از آفتاب اقبال شمیم، پورب اکادمی، اسلام آباد: جنوری ۲۰۱۶ء، صفحہ ۴
2. ڈاکٹر سعید احمد، دیباچہ "نادریافتہ" کلیات از آفتاب اقبال شمیم، پورب اکادمی، اسلام آباد: جنوری ۲۰۱۶ء، صفحہ ۴
3. ڈاکٹر وزیر آغا، "نظم جدید کی کروٹیں" سنگت پبلشرز، لاہور: ۲۰۱۸ء، صفحہ ۲۲، ۲۳
4. آصف ہمایوں، "نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے" (مضمون) مشمولہ "دستاویز پبلی کیشنز" از اشرف
5. سلیم، قاضی پرنٹرز، راولپنڈی: شمارہ ۷، ۶، جلد دوم ۱۹۹۱ء، صفحہ ۹۸
6. آفتاب اقبال شمیم "اپنے ہونے کی سزا" (نظم) مشمولہ "نادریافتہ" پورب اکادمی، اسلام آباد: جنوری ۲۰۱۶ء صفحہ ۱۸۹-۱۹۰
7. ڈاکٹر ناصر نیئر، "نظم کیسے پڑھیں"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۱۸ء، صفحہ ۱۰۵
8. آفتاب اقبال شمیم، "افریقہ..... اگلے محاذ پر "نادریافتہ" کلیات از آفتاب اقبال شمیم، پورب اکادمی، اسلام آباد:
9. جنوری ۲۰۱۶ء، صفحہ ۱۱۴
10. ڈاکٹر سعادت سعید "بے مشروط آزادی کی تمنا اور تولدِ دگر"، مضمون مشمولہ "فن اور خالق"، دستاویز مطبوعات
11. لاہور: ۱۹۹۸ء، صفحہ ۷۷
12. آفتاب اقبال شمیم، "ہم"، "نادریافتہ"، کلیات از آفتاب اقبال شمیم، پورب اکادمی، اسلام آباد: جنوری ۲۰۱۶ء، صفحہ ۷۰
13. آفتاب اقبال شمیم، "درخت"، "نادریافتہ"، کلیات از آفتاب اقبال شمیم، پورب اکادمی، اسلام آباد: جنوری ۲۰۱۶ء، صفحہ ۲۲۱
14. ڈاکٹر طارق ہاشمی، "جدید نظم کی تیسری جہت" شمع بکس، فیصل آباد: ستمبر ۲۰۱۴ء، صفحہ ۱۷۵
15. آفتاب اقبال شمیم، "میں ابد ہوں"، "نادریافتہ"، کلیات از آفتاب اقبال شمیم، پورب اکادمی، اسلام آباد: جنوری ۲۰۱۶ء، صفحہ ۲۰۹
16. ڈاکٹر سہیل احمد خان، "زید سے مکالمہ" مضمون مشمولہ مجلہ "دستاویز"، قاضی پرنٹرز، راولپنڈی: شمارہ ۷، ۶، ۱۹۹۱ء صفحہ ۸۸
17. ڈاکٹر طارق ہاشمی، "اردو نظم اور معاصر انسان" پورب اکادمی، اسلام آباد: فروری ۲۰۱۵ء، صفحہ ۱۸۲
18. آفتاب اقبال شمیم "زخم بینا"، "نادریافتہ"، کلیات از آفتاب اقبال شمیم، پورب اکادمی، اسلام آباد: جنوری ۲۰۱۶ء، صفحہ ۶۰
19. آفتاب اقبال شمیم "بے زور آور"، "نادریافتہ"، کلیات از آفتاب اقبال شمیم، پورب اکادمی، اسلام آباد: جنوری ۲۰۱۶ء،
20. صفحہ ۳۴
21. ڈاکٹر سعادت سعید "اردو نظم میں جدیدیت کی تحریک" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۱۷ء صفحہ ۳۱۴

References

1. Saeed Ahmad, Dr. *Nadaryafta (Preface. Kulliyat Aftab Iqbal Shamim*). Islamabad: Poorab Academy. Jan. 2016. P 4
2. Ibid. P 4
3. Wazir Agha, Dr. *Nazme Jadeed Ki Karvatain*. Lahore: Sangat Publishers. 2018. P. 22,23
4. Asif Humayun. *Na Tu Zameen Kay Liay Ha Na Asman Kay Liay*. Rawalpindi: Dastavez Publications Included Issue 6, 7. Vol 2. 1991. P. 98
5. Aftab Iqbal Shamim. *Apny Hony Ki Saza: Nadaryafta*. Islamabad: Poorab Academy. Jan. 2016. P 189,190
6. Nasir Abbas Nayyar, Dr. *Nazm kasy parhain*. Lahore: Sang e Meel Publications. 2018. P. 105
7. Aftab Iqbal Shamim. *Africa- Agly Mahaz Par: Nadaryafta*. P. 114
8. Saadat Saeed, Dr. *Bay Mashroot Azadi Ki Tamanna Aor Toalad E Digar*. Included: *Fan aor Khaliq*. Lahore: Dastavez Publications 1998. P. 77
9. Aftab Iqbal Shamim. *Hum: Nadaryafta*. P. 70
10. Aftab Iqbal Shamim. *Darakht: Nadaryafta*. P. 222
11. Tariq Hashmi, Dr. *Jadeed Nazm Ki Tesri Jehat*. Faisalabad: Shama Books. Sep. 2014. P. 175
12. Aftab Iqbal Shamim. *Main Abad Hun: Nadaryafta*. P. 209
13. Sohail Ahmad Khan, Dr. *Zaid se mukalma*. Included: *Dastavez*. Rawalpindi: Qazi Printers. Vol 6.7. 1991. P. 88
14. Tariq Hashmi, Dr. *Urdu Nazm Aor Muaasir Insan*. Islamabad: Poorab Academy. Feb. 2015. P. 182
15. Aftab Iqbal Shamim. *Zakhm e Beena: Nadaryafta*. P. 60
16. Aftab Iqbal Shamim. *Bay Zorawar: Nadaryafta*. P. 34
17. Saadat Saeed, Dr. *Urdu nazm me jadeediat ki tahrik*. Lahore: Sang e Meel Publications. 2017. P. 314